پاکستانی سیاست میں میڈیا کا کردار اور صحافیوں پر پابندی

ناصر نقوی
(مصنف سینئر جرنلسٹ اور کالم نویس ہیں)





صحافت اور سیاست کبھی بھی ایک دوسرے سے نہ دور ہو سکیں ہیں اور نہ ہو سکیں گی کیونکہ صحافت کو ریاست کا چوتھا ستون کہا جاتا ہے ہماری سیاسی تاریخ میں میڈیا نے ہمیشہ اہم کردار ادا کیا، جمہوری تحریکوں ھوں یا انسانی حقوق کی پاسداری میڈیا کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا لیکن حقیقت یہی ہے آئین پاکستان کے مطابق بھی میڈیا کو آزادی اظہار کے مواقع اس انداز میں نہیں مل سکے جس کا ان کا حق ہے۔ ماضی کی صحافتی اقتدار میں مختلف ملک گیر اور صوبائی سطح کی تنظیموں نے اظہار رائے کی آزادی کے لیے نہ صرف جدوجہد کی بلکہ اجتماعی تحریکوں سے ریاست اور اداروں سے ٹکرا کر اپنا حق لیا کیونکہ 1973 کے آئین کی روح کا تقاضا یہی ہے کہ آزادی اظہار اور تحریر و تقریر پر کسی قسم کی قدغن نہ لگائی جائے تاہم حکمران جمہوری ہوں یا آمر سب کی کوشش رہی ہے کہ میڈیا کو اپنے کنٹرول میں رکھا جائے، ایسی مشکل صورتحال میں بھی آزادی رائے، ریاستی احتساب اور عوامی رائے عامہ کے لیے بھرپور کردار ادا کیا گیا۔ تاہم اس میں مختلف قسم کی رکاوٹوں کا سامنا بھی رہا کبھی سینسر شپ، کبھی دھمکیاں اور کبھی میں گمشدگیاں، پاکستانی صحافت کے لیے امتحان ثابت ہوئیں، پھر بھی تاریخ گواہ ہے کہ صحافت اور صحافیوں نے بے خوف و خطر مسلسل آزمائشوں اور مشکلات کا سامنا کیا لیکن حق سچ کی آواز کو دبنے نہیں دیا، اگر پاکستانی صحافت کا غیر جانبدارانہ جائزہ لیا جائے تو قیام پاکستان

ماضی کی صحافتی اقتدار میں مختلف ملک گیر اور صوبائی سطح کی تنظیموں نے اظہار رائے کی آزادی کے لیے نہ صرف جدوجہد کی بلکہ اجتماعی تحریکوں سے ریاست اور اداروں سے ٹکرا کر اپنا حق لیا کیونکہ 1973 کے آئین کی روح کا تقاضا یہی ہے کہ آزادی اظہار اور تحریر و تقریر پر کسی قسم کی قدغن نہ لگائی جائے۔

کے فوراً بعد ہی دباؤ کی ابتدا کر کے مختلف اخبارات کو ریاستی پالیسیوں پر تنقید کی پاداش میں بند کر دیا گیا تھا پھر فیلڈ مارشل صدر محمد ایوب خان کے آمرانہ دور میں،، پریس اینڈ پبلکیشنز آرڈیننس،، سے صحافتی آزادی پر پہلا بڑا حملہ کیا گیا اس حوالے سے متعدد اخبارات کی مالی معاونت بند کر دی گئی کچھ صحافیوں کو ملازمتوں سے فارغ کیا گیا جبکہ صحافیوں کی بڑی تعداد کو حکومتی پالیسیوں سے اختلاف پر قید بھی کاٹنی پڑی لیکن جنرل ضیاء الحق نے جب ذوالفقار علی بھٹو کی منتخب حکومت کا خاتمہ کر کے اقتدار سنبھالا تو سینسر شپ کا ایک نیا روپ دیکھنے کو ملا، اس دور میں آئین کی معطلی پر صحافتی روایات پر بھی شب خون مار کر سینسر شپ کی انتہا کر دی گئی۔ ہر اخبار کے دفتر میں چھپائی سے پہلے فوجی اہلکار مرتب کردہ اخبار کو اپنی پالیسی کے تحت چیک کرتے اور حکومتی پالیسی سے متصادم خبریں کاپی سے اکھاڑ دی جاتیں۔ ایک سے زیادہ قومی اخبارات نے اس پالیسی کے ردعمل میں اخبارات کے صفحات خالی چھوڑنے شروع کر دیے، اخبارات کا یہ ردعمل عوامی سطح پر انتہائی اہم ثابت ہوا پورے شہر میں ''خالی جگہ'' کی خبروں کو مختلف انداز میں تنقید اور حکومت کی خلاف ہتھیار سمجھا گیا ایسے میں پاکستانی صحافت صرف خبر نہیں بلکہ حکومت کے خلاف ایک مزاحمتی تحریک بن گئی، صدر ضیاء الحق نے صحافتی تنظیموں کے مقابلے میں اپنے سہولت کاروں کا سہارا لیا جن میں ضیاء الاسلام انصاری، رشید صدیقی، نسیم عثمانی، مصطفیٰ صادق، مولانا اشفاق علی خان اور دیگر صدر ضیاء الحق کا نا صرف ساتھ دیا بلکہ انہیں یاد دہانی کرائی کہ آپ سے بڑا اخباری مالک کوئی دوسرا نہیں۔ روزنامہ مشرق، امروز، پاکستان ٹائمز ایوننگ نیوز، اخبار خواتین تمام نیشنل پریس ٹرسٹ کے حکومتی اخبارات کے آپ مالک ہیں لہذا صدر ضیاء الحق نے واشگاف الفاظ میں اس بات کا اظہار کیا اور حقیقی صحافتی تنظیموں کے مدمقابل فیڈرل یونین آف جرنلسٹس اور آل پاکستان نیوز پیپرز کنفیڈریشن، رشید صدیقی اور نسیم عثمانی کی سربراہی میں قائم کروا کر ان کی مالی اور اخلاقی معاونت شروع کر دی۔ جبکہ حقیقی صحافتی تنظیموں کے عہدے داران منہاج برنا، نثار عثمانی اور دیگر زیر عتاب آ گئے۔ حکومتی پالیسیوں کے خلاف اشتہارات کو بطور ہتھیار استعمال کر کے اداروں پر دباؤ بڑھایا گیا جب بات نہیں بنی، تو بڑے پیمانے پر گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ کراچی سے منہاج برنا اور ان کے ساتھی جیل بھیج دیے گئے جبکہ لاہور میں نثار عثمانی، عباس اطہر، چوہدری خادم حسین، راجہ اورنگزیب، شفقت تنویر مرزا اور بہت سے دوسرے تھانہ سول لائن لاہور میں بند کر دیے گئے لیکن صدر ضیاء الحق اور ان کے حمایتی ٹولے کا خوف کم نہیں ہوا تو ملک گیر گرفتاریاں شروع کر دی گئیں۔ دنیائے صحافت میں ایک نیا ریکارڈ قائم کیا گیا کہ چار اہم صحافیوں کے خلاف ملٹری کورس میں مقدمہ چلا کر ناصر زیدی، اقبال جعفری، خاور نعیم ہاشمی، مسعود اللہ خان کو کوڑے مارے گئے اس فیصلے پر دنیا بھر سے سخت ردعمل آیا لیکن آمرانہ حکومت نے قلم کے مزدوروں پر سختی کم نہیں کی اور اخبارات کے ''صفحات خالی'' رکھنے پر بھی پابندی لگا دی گئی، خدا خدا کر کے صدر جنرل ضیاء الحق کا 11 سالہ دور ایک فضائی حادثے کی بدولت ختم ہوا لیکن جمہوری ادوار میں بھی ان تجربات سے بھرپور فائدہ اٹھایا گیا اور یہ روایت ایسی چلی کہ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ن کے دور میں بھی اشتہارات کو ہتھیار ہی سمجھا گیا۔ تاہم نیشنل پریس ٹرسٹ کے اخبارات کی سی۔ بی۔ اے یونینز اور مرکزی و صوبائی صحافتی تنظیموں کے فعال ہونے سے معاملات یکسر نہیں بدلے، تاہم آمرانہ دور

سے حالات بہتر رہے، ویج بورڈ ایوارڈ کے تحت تنخواہوں میں ایک سسٹم کے مطابق اضافہ ہوتا رہا لیکن جب پنجاب میں نواز شریف وزیر اعلیٰ اور مرکز میں پیپلز پارٹی کی محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت میں نیشنل پریس ٹرسٹ کے اخبارات میں نواز شریف اور ان کے خاندان کے خلاف، فیک نیوز سے نہ صرف تذلیل کی بلکہ شریف خاندان کی خواتین کے خلاف سکینڈلز بنائے گئے۔ لہذا جب نواز شریف وزیر اعظم بنے تو انہوں نے چند اخباری مالکان کی ایما پر نیشنل پریس ٹرسٹ کے اخبارات میں گولڈن شیک ہینڈ فارمولا بنا کر اخبارات بند کر دیے اور یوں ویج بورڈ ایوارڈ بھی غیر فعال ہو گیا۔



اگر یہ کہا جائے کہ جمہوری ادوار میں بھی صحافیوں کو ملازمتوں سے برخاست، مقدمات اور اخبارات کو اشتہارات کی بندش کا سامنا رہا تو بے جا نہیں، تاہم یہ واقعات آمرانہ دور کے مقابلے میں قدر کم تھے۔ پھر زبردستی کے صدر پرویز مشرف کے دور میں بھی سچی بات کرنا ایک حد تک مشکل تھا لیکن پرویز مشرف نے ادارے بند کرنے کی پالیسی کی بجائے، نجی نیوز چینل، کو متعارف کرا دیا جسے بظاہر آزادی رائے سمجھا گیا لیکن وکلا تحریک 2007 میں میڈیا نے بھرپور انداز میں عدلیہ کا ساتھ دیا تو ایک مرتبہ پھر صحافیوں کو ریاستی اداروں کی جانب سے سخت دباؤ برداشت کرنا پڑا، صحافی مختلف اداروں سے نکالے گئے بھی گئے اور چینل بند بھی کر دیے گئے۔ پھر پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ن کے ادوار آئے ہلکا

پھلکا کام بھی چلتا رہا، پسند ناپسند پر حکومتی دباؤ بھی کبھی کم، کبھی زیادہ ہوتا رہا لیکن جب عمران خان وزیراعظم بنے تو معاملات مزید الجھ گئے۔

صحافیوں کے خلاف کاروائیاں رکنے کی بجائے بڑھ گئیں، کچھ نکالے گئے، کچھ لاپتہ ہوئے اور کچھ تو گولیوں کا نشانہ بھی بنے لیکن اس دور میں طاقتوروں نے حکومتی پالیسیوں کی ''واہ واہ'' کے لیے ایک میڈیا بریگیڈ ایسا بنایا کہ وہ عمران خان کے اقتدار کے بعد بھی اسی پرانے انداز میں چلتا رہا۔ لہذا نئے مسائل نے جنم لیا، کچھ پر مقدمات بنے، کچھ پکڑے گئے اور چند ملک سے ہی باہر چلے گئے بظاہر یہ جلاوطنی خودساختہ ہی تھی لیکن پس پردہ دباؤ تھا، صحافی اغوا اور لاپتا بھی ہوئے کئی معروف اینکر کو ''آف ایئر'' بھی کرادیا گیا۔

> پھر زبردستی کے صدر پرویز مشرف کے دور میں بھی سچی بات کرنا ایک حد تک مشکل تھا لیکن پرویز مشرف نے ادارے بند کرنے کی پالیسی کی بجائے ،،نجی نیوز چینل،، کو متعارف کرادیا جسے بظاہر آزادی رائے سمجھا گیا لیکن وکلا تحریک 2007 میں میڈیا نے بھرپور انداز میں عدلیہ کا ساتھ دیا تو ایک مرتبہ پھر صحافیوں کو ریاستی اداروں کی جانب سے سخت دباؤ برداشت کرنا پڑا، صحافی مختلف اداروں سے نکالے گئے بھی گئے اور چینل بند بھی کردیے گئے۔

حالیہ صورتحال میں حکومت کے لیے سوشل میڈیا بریگیڈ دردسر بنا ہوا ہے حالانکہ اس تبدیلی سے ایسا لگتا ہے کہ معلومات کی رسائی آسان ہوگئی ہے لیکن غیر ذمہ داروں نے انتہائی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا۔ ہر بات کو بتنگڑ بنا کر معاشرے میں ہیجان پیدا کیا گیا لہذا ریاست نے بھی ''سینسیشن شپ اور فیک نیوز'' سے جان چھڑانے کے نئے راستے نکال لیئے ''پیکا ایکٹ'' کو مضبوط کیا گیا تو صحافتی برادری کے کان کھڑے ہوگئے حکومتی دعوی ہے کہ یہ صحافیوں کے خلاف نہیں، یہ صحافت کے نام پر ''فیک نیوز اور بلیک میلرز'' کی پکڑ کے لیے ہے لیکن ''پیکا ایکٹ'' کے دائرہ کار میں کوئی بھی صحافی کسی بھی معمولی بات میں پھنس سکتا ہے، اس وقت ملک بھر کی صحافتی تنظیمیں اپنا اتحاد قائم نہیں رکھ سکیں، یوں مسائل بڑھ گئے صحافتی برادری کا موقف ہے کہ اختلاف رائے ہمیشہ ہر معاشرے میں ہوتا ہے تو ہمارے ہاں ناقابل برداشت کیوں ہوگیا؟ سچ بولنا اور سچ لکھنے والے ہر دور میں اپنا مشن جاری رکھتے ہیں پاکستان میں بھی صحافیوں کی آواز قید و بند یا کوڑوں سے خاموش نہیں کی جاسکی، پھر بھی جمہوری دور میں بھی صحافت ہی نشانے پر ہے۔ اس کی ایک وجہ صحافی برادری کی کالی بھیڑیں ہیں جو ملک وملت اور قومی اداروں کے مفاد میں کم اور کسی خاص گروہ جماعت کے لیے زیادہ سنجیدہ دکھائی دیتے ہیں، صحافتی تنظیمیں بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔ اس لیے وہ بھی اپنی گرفت مضبوط کرنے میں ناکام ہیں حکومت بھی ''سوشل میڈیا'' کے لیے ہر انداز اپنا رہی ہے لیکن ایسی کامیابی حاصل نہیں ہوسکی کہ دونمبری صحافت کا خاتمہ کیا جاسکے لہذا مسائل روز بروز بڑھ رہے ہیں حقیقی صحافی اپنا حقیقی کردار ادا کرنا چاہتے ہیں لیکن انہیں ''مادر بدر آزاد'' لوگوں سے مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے اس طرح حکومتی قوانین اور دائرہ کار میں گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس رہا ہے، ایسے میں یہ رائے عامہ پائی جارہی ہے کہ اگر پاکستانی صحافت حالات اور تاریخ کی جبر میں پھنس کر خاموش یا مصلحت پسند ہوگئی تو پھر ملک میں جمہوریت کو کیسے استحکام ملے گا اور یہ کیسے پھولے پھلے گی؟ نکہ ایک

مضبوط جمہوریت آزاد میڈیا کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی لہذا صحافتی برادری اور ریاستی ذمہ داروں کا فرض ہے کہ وہ مشاورت اور اشتراک سے کچھ واضح اصول پر کاربند ہو جائیں یا ایسی منصوبہ بندی کی جائے کہ میڈیا اپنا مثبت کردار ادا کر سکے، ریاست اور حکمران مثبت تنقید برداشت کر کے ترقی و خوشحالی کے راستوں پر گامزن ہوں، اس کا ایک فارمولا ہے کہ معاشرے میں رواداری اور برداشت کی کمی کو قومی حوالوں سے ختم کرنے کی کوشش کی جائے کیونکہ صحافت اور صحافی ریاست کے دشمن ہرگز نہیں ہوتے ان کی صلاحیتوں سے آئینی حدود میں رہتے ہوئے استفادہ کرنا ہوگا۔ حکومت صحافی تنظیموں کے نمائندوں سے مل کر،، پیکا ایکٹ،، کے تحفظات دور نہیں کر رہی جبکہ انٹرنیشنل فیڈریشن آف جرنلسٹس نے ''پیکا ایکٹ'' کو متنازعہ قرار دیتے ہوئے صحافیوں کے مسائل حل کرنے کے لیے چیف جسٹس آف پاکستان مسٹر جسٹس یحیٰ آفریدی کو خط لکھا ہے اس خط کی کاپیاں وزیراعظم پاکستان، چیف جسٹس اسلام آباد ہائی کورٹ اور صدر پی۔ایف۔یو۔جے کو بھی ارسال کی گئیں ہیں، خط میں لکھا گیا ہے کہ صحافیوں کو،، پیکا قانون،، کے تحت مقدمات ہراسانی اور دھمکیوں کا سامنا ہے۔ صحافیوں کے پیشہ ورانہ فرائض میں خطرات بڑھ گئے پاکستان میں اس سال کے دوران سات صحافی قتل ہوئے اور دیگر کو تنخواہوں کی عدم دستیابی اور غیر قانونی برطرفیوں کا بھی سامنا ہے یقیناً اس صورتحال میں صحافتی برادری شدید مشکلات میں گھری ہے لہذا ریاست کے ''چوتھے ستون'' کو مضبوط کیے بغیر کسی بھی صورت میں مثبت کردار ادا نہیں کیا جا سکتا اس لیے ضروری ہے کہ ملک و ملت کے لیے ایسی حکمت عملی اپنائی جائے کہ ریاست کا چوتھا ستون، بلا خوف اپنا مثبت کردار ادا کر کے قومی معاملات میں اپنا حصہ ڈال سکے ورنہ اگر صحافت پر جبر رہا تو عوامی رائے عامہ بھی ''فیک نیوز اور جھوٹی خبروں'' سے انتشار کا شکار رہے گی، جس کا نقصان ہی نقصان ہوگا فائدہ کوئی نہیں۔

